میں اُن تاجروں کی دوکانوں اور مسجدوں کے صحیح حالات لکھے ہیں اور اس کے معاصر ابوزید سیرافی نے لکھا ہے کہ شاہ چین نے ایک مسلمان قاضی مقرر کر دیا تھا جو مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے کرتا تھا اور نمازوں میں ان کی امامت بھی۔ اس کے فیصلے عام طور پر خوشی کے ساتھ تسلیم کئے جاتے تھے۔

عالم اسلامی اور حکومت چین کے درمیان جو تعلقات تھے وہ اگرچہ خاندان تانگ کی حکومت کے زوال کے بعد کچھ عرصے کے لئے کسی قدر کمزور ہو گئے تھے لیکن وہ کبھی منقطع نہیں ہوئے تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خاندان سونگ (جو خاندان تانگ کا جانشین ہوا) کی حکومت کے زمانے میں عربوں نے تقریباً بیس سفارتی مشن چین میں بھیجے۔ اُس عہد میں شہر کینٹن کی اہمیت ایک تجارتی مرکز کی حیثیت سے کم ہو گئی تھی اور اس کی جگہ ایک دوسرے شہر نے لے لی تھی جس کے لئے ابوالفدا نے اس کا چینی نام شنجو (Shanchow) استعمال کیا ہے اور اکثر عرب جغرافیین اور سیاحین نے اُس کو زیتون کے نام سے یاد کیا ہے۔

ابن بطوطہ چین میں | شہر زیتون ہی میں عرب سیاح ابن بطوطہ کے قدم پہلی بار سرزمین چین پر پڑے ابن بطوطہ قدیم شہر کینٹن میں بھی گیا اور اس کو اس نے صین الصین کے نام سے ذکر کیا ہے۔ وہ پیکنگ (یا خان بالق) بھی گیا۔ اور جہاں بھی وہ گیا وہاں اُس نے بہت ترقی یافتہ اسلامی جماعتوں کو پایا اور چینی مسلمانوں اور چینی حکام دونوں نے یکساں طور پر اس کا خیر مقدم اور اس کی عزت و تکریم کی وہ لکھتا ہے کہ:-

"اور چین کے ہر شہر میں مسلمانوں کا ایک شہر ہے جس میں صرف وہی آباد ہیں اور وہاں اُن کی مسجدیں ہیں جن میں جمعہ وغیرہ کی نمازیں ادا کی جاتی ہیں۔ اُن لوگوں کی وہاں تعظیم و توقیر کی جاتی ہے۔ چین کے ہر شہر میں مسلمانوں کا ایک شیخ الاسلام ضرور ہوتا ہے جس کے پاس مسلمانوں کے تمام معاملات جاتے ہیں اور ایک قاضی بھی ہوتا ہے۔ جو ان کے مقدمات کے فیصلے کرتا ہے۔"

وہ پھر لکھتا ہے کہ:-

"ملک چین تمام ملکوں سے زیادہ پُر امن ہے اور مسافر کے لئے تمام ملکوں سے اچھا۔"

ابن بطوطہ نے وہاں جن معززین، علما اور تجار سے ملاقاتیں کیں اُن کے ناموں سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں جیسا کہ ہم نے اور ماخذوں سے بھی نکالا ہے کہ اس وقت چینی مسلمانوں میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو خالص عالمِ اسلامی سے وہاں گئے تھے۔ مشرق میں ایران سے لے کر مغرب میں اندلس تک کے لوگ وہاں موجود تھے۔

اوپر دو انتقالاتِ مکانی کا ذکر ہو چکا ہے یعنی ایک وہ جو سمندر کے راستے سے ساحلِ چین تک تھا اور دوسرا وہ جو خشکی کے راستے سے چین کے شمال مغرب تک۔ ساتویں صدی ہجری میں ان دونوں کے ساتھ ایک تیسرے انتقالِ مکانی کا ظہور ہوا جس میں چین کو جانے والوں کی تعداد بہت ہی زیادہ تھی اور یہ تیسرا انتقالِ مکانی بھی خشکی ہی کے راستے سے تھا لیکن اس کا رُخ چین کے جنوب مغرب کی طرف صوبۂ یونان تک تھا۔ ابن بطوطہ ان اطراف میں نہیں گیا اور اس وجہ سے اس نے مسلمانوں کی اس اہم وطن سازی کا ذکر نہیں کیا۔

مسلمانوں اور چینیوں کا تعاون

مسلمانوں اور چینیوں کے مادی اور تجارتی مفاد کے مشترک ہو جانے کے بعد صوبۂ یونان ہی میں وہ پہلی بنیاد بھی ڈالی گئی جس پر مسلمانوں اور چینیوں کے دوستانہ تعاون کی عمارت تعمیر کی گئی۔ اس تعاون کی سب سے اچھی مثال شمس الدین عمر بخاری معروف بہ سید اجل ہیں جو ۶۷۲ھ سے ۶۷۸ھ تک صوبۂ یونان کی گورنری کے عہدے پر فائز رہے اور آبپاشی کے اہم ذرائع کے پیدا کرنے کا کام اپنے ذمہ لیا اور اس سلسلے میں دریاؤں میں پشتے باندھے اور نہریں نکالیں اُن کی وفات کے بعد وہاں ان کی یادگار میں ایک ہال بنایا گیا اور اُس میں اُن کی مدح و ثنا تحریر کی گئی۔ یہ ہال اب تک موجود ہے اور یہ چینیوں کے اس مشہور طرزِ عمل کی ایک دلیلِ قاطع ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے اچھے کاموں کی بڑی قدردانی کرتے ہیں۔ اور چین کی سرکاری تاریخوں میں اُن کی سیرت دوسرے عمالِ حکومت کی سیرتوں کے ساتھ متعدد بار، اور آخری بار ۱۲۹۸ھ مطابق ۱۸۸۱ء میں لکھی گئی۔

شمس الدین نے مرنے کے بعد پانچ بیٹے اور انیس پوتے چھوڑے اور وہ سب مناصب

جلیلہ پر فائز ہوئے اور اُن کے دو بیٹے ناصر الدین اور حسین بھی اُن کی طرح صوبہ یونان کے گورنر ہوئے اور ناصر الدین نے اُس صوبے میں اسلام کی ترقی کے لئے بہت کوششیں کیں۔

سید اجل کی بندرہویں پشت میں وہ عالم جتاناچو گذرے ہیں جنہوں نے ۱۰۹۵ھ میں اپنی مشہور کتاب مقناطیس الاسلام تصنیف کی جس میں انھوں نے اسلامی اور چینی اخلاق میں موافقت و مطابقت کی شرح کی ہے۔

مسلمانوں کے چین میں جاکر آباد ہونے کی تحریک جو نویں صدی ہجری میں بہت ہی قوی ہوگئی تھی اور سید اجل جس کے سب سے بڑے اور ممتاز داعی تھے، اس وقت ختم ہوگئی جب مسلمانوں نے چین کو اپنا وطن بنالیا لیکن پھر بھی عالم اسلامی اور چین کے درمیان تعلقات برابر قائم رہے اور اسلام چین میں برابر بڑی وسعت کے ساتھ پھیلتا رہا نویں اور دسویں صدی ہجری کی کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ عربوں کے متعدد تجارتی مشن چین میں گئے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے وہاں خاندان مینگ کی حکومت کے عہد میں، ۷۶۹ھ سے ۱۰۵۵ھ کے درمیان بہت بڑی تعداد میں مسجدیں بنائیں۔ خاندان مینگ کی سرکاری کتب جغرافیہ میں ممالک عربیہ کا عموماً اور مکہ و مدینہ کا خصوصاً ذکر پایا جاتا ہے۔ اُس خاندان کے حکمرانوں نے اُن مسلمان بادشاہوں کے ساتھ جو چین کی مغربی سرحدوں پر تھے دوستانہ سفارتی تعلقات قائم کئے۔

چین کے مسلمانوں کی موجودہ تعداد کا سبب یہ نہیں ہو سکتا کہ غیر ملکی مسلمانوں نے اس کو اپنا وطن بنالیا تھا نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان وطن بنانے والوں کی اولاد بڑھ کر اتنی تعداد میں ہوگئی کیونکہ اُن کی تعداد (جو اصلی چین میں دس ملین سے کم نہیں ہے) مملکت مصر کے باشندوں کی تعداد کی دو تہائی کے قریب ہے اور مملکت عربیہ سعودیہ کے باشندوں کی تعداد کی دگنی اور عراق، شام اور لبنان کے باشندوں کی تعداد کی تگنی۔ واقعہ یہ ہے کہ آٹھویں صدی ہجری سے اب تک چینیوں کی ایک بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا اور یہ سبب ہے ان کی موجودہ تعداد کا در اس وقت مسلمانانِ چین میں خالص چینیوں کی اکثریت ہے۔ اور کسی چینی کو ۱۰۵۹ھ سے پہلے

یہ موقع نہیں ملا کہ وہ شیخ الاسلام کے منصب جلیل پر فائز ہو اور چینی حکام نے کبھی اسلام کی ترقی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔

اب تک ہم نے عالم اسلامی اور حکومت چین کے تعلقات کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔ آ ہم مسلمانوں اور چینیوں کے روحانی تعلقات کا ذکر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے جو دل خوش کن حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کے بتائے ہوئے اخلاقِ فاضلہ اور چینی حکیم کنفوسیوس کی تعلیم میں پورے طور پر موافقت و مطابقت ہے اس کو دوسرے الفاظ میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ دینِ اسلا اور فلسفۂ چین کے درمیان اُن تمام امور میں جو دنیاوی زندگی سے متعلق ہیں پورا اتفاق ہے۔ ا یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر چین کے مسلم علماء پورے وثوق کے ساتھ قائم ہیں۔ اور چینی علما نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے اس کے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ ۱۱۴۲ھ میں شہر سی نان فو میں ایک مسجد کی ازسرِ نو تعمیر کے موقع پر سرکاری طور پر پتھر پر ایک تحریر[1] کندہ کی گئی تھی جو حسب ذیل ہے:—

"حکیم مذہب محمد، حکیم چین کونفوسیوس کے بہت دنوں کے بعد جزیرۃ العرب میں پیدا ہوئے وہ دونوں اپنے مذاہب اور تعلیمات میں ایک دوسرے سے متفق ہیں باوجودیکہ ان دونوں کے زمانوں اور ملکوں میں بہت بعد ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں کے پاس ایک ہی ضمیر تھا اور ایک ہی حقیقت، بڑے بڑے اخلاقی مسائل ہوں یا روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھنے والے چھوٹے چھوٹے امور، ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو بیک وقت احکام عقلیہ اور تعلیماتِ محمدیہ کے تحت میں نہ آتے ہوں۔ وہ دونوں خالق جل و علا کے احترام کو واجب قرار دیتے ہیں اور یہ تعلیمات اگرچہ اپنے دقائق اور تفصیلات میں متعدد ہیں مگر وہ سب ایک ہی بلند مقصد کی طرف لوگوں کو بلاتی ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے۔"

اور ہم اس اتحاد و اتفاق کا نتیجہ عملی زندگی کے میدان میں دیکھتے ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک طرف چینی اپنی مشہور روایات کے مطابق مسلمانوں کے ساتھ شفقت اور مہربانی کا برتاؤ کرتے ہیں اور دو

[1] فاضل مقالہ نگار نے اس تاریخی کتبے کی عکسی تصویر اس مقالے کے آخر میں چھاپ دی ہے۔

طرف چین کے مسلمان اپنے وطن کے ساتھ پورا اخلاص رکھتے ہیں اور اس کے وفادار ہیں۔

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا کہ کس طرح چینیوں نے اُن مسلمانوں کو جو آٹھویں صدی ہجری تک عالمِ اسلامی سے وہاں بسنے اور آباد ہونے کو جاتے تھے، اس کی اجازت دی کہ وہاں اپنی مسجدیں اور مدرسے بنائیں اور اپنے قاضی اور مفتی مقرر کریں اور اپنے معاملات کا خود شیخ الاسلام کی سرداری کے ماتحت انتظام کریں۔ اس سے زیادہ اہم اور عظیم الشان ایک چیز اور ہے اور وہ یہ کہ چینی حکام نے ہمیشہ مذہبی آزادی کے اصول کو قائم رکھا اور مسلمانوں کی حمایت آٹھویں صدی ہجری کے بعد تک کرتے رہے جبکہ خالص چینیوں کی ایک بڑی تعداد اسلام قبول کرنے اور اللہ کے دین میں فوج در فوج داخل ہونے لگی۔ اور خاندان مینگ (جو ۱۳۶۸ء سے ۱۶۵۹ء تک چین پر حکمراں رہا) کے بانی نے مسلمانوں کو بہت سے حقوق اور رعایتیں دیں جن سے وہ برابر مستفید ہوتے رہے اور اسلام اس خاندان کی حکمرانی کے عہد میں خوب پھولتا پھلتا رہا جیسا کہ اس زمانے کی کثیر التعداد مساجد کی تعمیر سے ظاہر ہوتا ہے۔

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ۱۳۳۵ء میں فغفورِ چین نے ایک شاہی فرمان جاری کیا تھا جس میں اس نے یہ حکم دیا تھا کہ اسلام کو سرکاری طور پر "الدین الحق الحنیف" (سچا اور سیدھا دین) کے نام سے یاد کیا جائے۔ اور وہاں آج بھی اسلام کا یہی نام ہے۔

اور ۱۴۲۳ء میں فغفورِ چین نے شہر سی نان فو اور شہر نانکنگ میں مسجدوں کے بنائے جانے کا حکم دیا تھا اور یہ دونوں شہر صوبوں کے دارالسلطنت تھے۔ اور ۱۵۰۰ء سے کچھ پہلے ایک مسلمان تاجر سید علی اکبر نے چند سال شہر پیکن میں گذارے۔ وہ وہاں اس وقت مسلمانوں کی بڑی تعداد بتاتا ہے اور کہتا ہے کہ وہاں مسلمانوں پر ٹیکس نہیں لگائے جاتے اور نہ مال درآمد پر اُن سے محصول لیا جاتا ہے۔ اُنھوں نے فغفورِ چین سے زمینداریاں اور دوسرے بہت سے عطیات حاصل کئے ہیں اور مذہب کے معاملے میں انھیں پوری آزادی حاصل ہے اور اُن سے مکمل رواداری برتی جاتی ہے اور اُن کے مذہب کو چینی پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

اور اسلام کے قبول کرنے میں ہر شخص کو پوری آزادی حاصل ہے اور اس میں کسی طرح کی رکاو
نہیں اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ اس نے پیکن میں چار بڑی بڑی مسجدیں اور دوسرے صوبوں م
تقریباً نوے مسجدیں دیکھیں اور یہ سب مسجدیں فغفورِ چین نے اپنے خرچ سے تعمیر کرائی تھیں
شاہی فرمانوں میں سے ایک فرمان کی عبارت، جس کو خاندان مینگ کے بانی نے اس
بارے میں جاری کیا تھا، اپنی اصلی صورت میں پتھر کی ایک تختی پر کندہ کی ہوئی اب تک محفوظ
اُس نے اُس میں حکم دیا ہے کہ مسلمانوں کو مقررہ عطیات دئے جائیں۔

"اور دو سمتوں میں دو مسجدیں بنائی جائیں اور جب ان کی مسجدیں شکستہ ہو جائیں تو انھیں ان کی مرمت کی
اجازت، اور تمام صوبوں اور ضلعوں میں آمد و رفت اور تجارت کی آزادی دی جائے اور چنگی گھروں میں اور
گھاٹوں پر انھیں بلا روک ٹوک کے جانے کی اجازت دی جائے۔"

چین کے مسلمانوں کے تعلقات وہاں کی اکثریت اور حکام کے ساتھ، خاندان مینگ کی
حکمرانی کے پورے عہد میں، اعتماد و مودت کی بنیادوں پر قائم رہے اور خاندان مانچو (جو خاندا
مینگ کا جانشین ہوا) کے زمانۂ حکومت میں بھی منقطع نہیں ہوا جیسا کہ اُس فرمان شاہی سے
جس کو فغفورِ چین نے ۱۴۲ا؁ھ میں جاری کیا تھا، معلوم ہوتا ہے۔ وہ فرمان حسب ذیل ہے:-

"ملک کے ہر حصے میں کئی صدی سے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد پائی جاتی ہے جو میری پیاری قوم کا ایک
جزء ہیں میں ان کو اسی طرح اپنی اولاد سمجھتا ہوں جس طرح دوسری رعایا کو میں اُن میں اور دوسرے لوگوں میں
جو اُن کے ہم مذہب نہیں ہیں، کوئی فرق نہیں سمجھتا وہ انھیں اخلاق کریمہ سے آراستہ ہیں جن سے میری
دوسری رعایا اُن میں ایک خاصی تعداد سول عہدہ داروں اور فوجی افسروں کی ہے جو اعلیٰ عہدوں
تک پہنچ گئے مختصر یہ کہ وہ لوگ عظیم چینی خاندان کے افراد ہیں اور اس بنا پر میں چاہتا ہوں کہ وہ اپنے امور
دینی پر عمل کرنے میں آزاد چھوڑ دئے جائیں۔"

اور اس کے تیس برس کے بعد مشہور شہنشاہ چین کین لونگ نے مسلم دوستی کی د

۱؎ فاضل مقالہ نگار نے اس تاریخی کتبہ کی عکسی تصویر اس مقالے کے آخر میں چھاپ دی ہے۔

دلیلیں پیش کیں۔

اور یہ واقعہ کہ مرکزی حکومت نے مسلمانوں پر ظلم کیا اور وہ اس کے خلاف بغاوت کرنے پر مجبور ہوئے صرف خاندان مانچو کی حکمرانی کے آخری عہد میں خصوصاً ۱۲۷۱ھ سے ۱۳۱۴ھ تک پیش آیا لیکن جلد ہی چینی رواداری کی روح اپنی اصل کی طرف لوٹی اور خود چینیوں نے خاندان مانچو کو تخت سے اتار دیا۔

اور جب چین میں جمہوری حکومت قایم ہوئی تو مسلمانوں کو ایسی آزادی ملی جو سابق حکومتوں میں سے کسی حکومت کے ماتحت انھیں نہیں ملی تھی۔ چینی جمہوریت کے بانی پریسیڈنٹ سن یاٹ سن نے علانیہ مسلمانوں کی اہمیت کا اعتراف کیا اور انھیں دعوت دی کہ وہ چین کی اصلاح میں ان کی مدد کریں اور اپنے متبعین کو ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ تعاون کرنے کی ترغیب دی اور چینی قومیت کی نشأۃ ثانیہ کے پروگرام میں سرکاری طور پر پوری مساوات اور کامل مذہبی آزادی لکھ دی گئی۔ چین کے مسلمانوں نے داعیِ وطن کی آواز پر لبیک کہنے میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کی اور پورے عزم و اخلاص کے ساتھ وطنی تحریک میں حصہ لیا۔

اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی تحریک بھی قومی تحریک کے پہلو بہ پہلو چلی اس کے دلائل میں سے ایک یہ ہے کہ پیکن سے ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء میں ایک اسلامی اخبار "الجریدۃ الوطنیہ" کے نام سے جاری ہوا۔ اور ۱۳۲۹ھ مطابق ۱۹۱۱ء جمعیۃ التقدم الاسلامیہ اور ۱۳۴۱ھ مطابق ۱۹۲۲ء میں جمعیۃ العلمیۃ الاسلامیۃ الصینیہ قایم کی گئی۔ پھر چین کی تینوں یونیورسٹیوں میں سے ہر ایک میں زبان عربی اور علوم اسلامیہ کی پروفیسری کے لئے جگہیں بنائی گئیں اور یہ چونگ کنگ، کون مینگ اور ہان چونگ کی یونیورسٹیاں ہیں،

اور شاید تم جانتے ہوگے کہ جاپانیوں نے جس وقت چین پر زیادتی شروع کی تو چینی مسلمان بھی ان کے ایذا اور شر سے نہ بچ سکے۔ لیکن چینی مسلمان حمیتِ وطنی کے لحاظ سے جاپانیوں کی مزاحمت اور ان کے مقابلے کے لئے اٹھ کھڑے ہونے میں دوسروں سے کم نہ تھے اس لئے کہ وہ خالص وطن دوست تھے اور اس لئے بھی کہ ان کا دین ان کو حکم دیتا ہے کہ وہ برائی، ظلم وجور اور بے انصافی د